تنقید و تبصرہ

تجارتی سُود

مصنف فضل الرحمان صاحب
ناشر: مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
قیمت درج نہیں۔

اس کتاب میں فضل الرحمان صاحب نے سود کے مشکل مسئلے پر سلیس زبان میں بحث فرمائی ہے جیسا کہ تقریب سے ظاہر ہے ان کا مدعا مولانا جعفر شاہ پھلواروی کی مرتب کردہ کتاب "کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت" پر تبصرہ کرنا تھا۔ ایک طرف تو علماء ہر قسم کے سود کو حرام قرار دیتے ہیں مگر دوسری طرف ان ممالک کے مسلمان بھی جہاں خدا کے فضل و کرم سے اپنی حکومت موجود ہے نفع آور کاموں کے لیے سودی سرمایہ کی جستجو میں رہتے ہیں۔ پھلواروی صاحب کی کتاب کا مقصد اس تضاد فکر و عمل کو دور کرنے کے ذرائع کو ڈھونڈنا تھا اور فضل الرحمٰن صاحب کا مقصد فقہی لحاظ سے ان ذرائع کو مجروح و مکروہ ثابت کرنا ہے۔ فضل الرحمٰن صاحب اس مقصد میں کسی حد تک کامیاب رہے ہیں لیکن اس سے اصل مسئلہ تو حل نہیں ہوا۔

فضل الرحمٰن صاحب کے طرز استدلال پر بھی بعض اعتراضات کیے جا سکتے ہیں۔ اکثر محققین مانتے ہیں کہ الربوٰ کا الف لام عہدی ہے اور اس سے مراد وہ ربوٰ ہے جو اس وقت عرب میں متداول تھا اور جس سے عرب کے عامۃ الناس واقف تھے۔ لامنز (Lammens) کے اقوال کی بنا پر فاضل مصنف مکہ کو بنکاری کے مرکز کی حیثیت دیتے ہیں مگر لامنز کے اپنے قول کے مطابق (جس کا اس کتاب میں ذکر نہیں ہے) اس نے یہ اطلاع تاریخ یا احادیث سے اخذ نہیں کی بلکہ اسے قرآن سے ملی ہے۔ لیکن قرآن مجید تو آپ کے زیر مطالعہ بھی رہا ہوگا۔ کیا آپ نے اس میں کوئی ایسی آیت دیکھی ہے؟ نیز لامنز کے متعلق مسلمان محققین اچھی رائے نہیں رکھتے۔ مثلاً شام کے مشہور فاضل محمد کرد علی لکھتے ہیں: "اس گروہ کا سرخیل لامنز ہے۔ اس نے اسلامی تاریخ کی مخالفت اور عربوں کی تحقیر اور مذمت کو اپنا شعار بنا لیا ہے"[۱]۔ مزید برآں اگر مکہ میں بنکاری کا سلسلہ موجود ہوتا تو کیا اس وقت کے مسلمان اسے اس طرح نیست و نابود ہو جانے دیتے کہ ڈھونڈنے سے بھی اس کا پتہ نہ چلتا اور مسلمانوں کو اپنی پونجی کی حفاظت کے لیے حضرت زبیر بن عوامؓ جیسے امین لوگوں کی تلاش رہتی۔ مکہ کے "معزز تجارت پیشہ" قبیلہ بنو مغیرہ اور ثقیف کے بنو عمرو بن عمیر بن عوف کے باہمی سودی کاروبار سے فاضل مصنف اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ قرضے بہت بڑی حد تک پیداآوری نوعیت کے رہے ہوں گے۔ لیکن امام واحدی نے

---

[۱] اسلام اور عربی تمدن مترجمہ شاہ معین الدین صاحب ندوی ص ۲۳۔

آیت "ان کانت ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ" کی شان نزول کے بارے میں جو فرمایا ہے اس سے اس بات کی تصریح ہو جاتی ہے کہ ان قرضوں کا تعلق زراعت سے تھا نہ کہ تجارت سے (اسباب النزول ص ۶۴) اور اس زمانے کی زراعت کو ماہرین پیدا آوری میں گنتے۔

سورہ بقرہ کی آیت "انما البیع مثل الربوٰا" پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کفار عرب "دعویٰ کرتے ہیں کہ اصل چیز تو سود ہے۔ معیشت کی بنیاد تو ربوٰا ہے۔ ان کے نزدیک اس بنیاد سے مماثلت رکھنے کی ہی وجہ سے تجارت ان کے نزدیک قابل تسلیم ہے۔" لیکن اس رواج عام کے باوجود عرب جاہلیت سے پیدا آور سود کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی گئی ہے۔ فاضل مصنف نے کئی صفحات یہ دکھانے میں صرف کیے ہیں کہ عرب کے اردگرد کے ممالک میں پیدا آوری سود رائج تھا اس لیے عرب اس سے واقف اور متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے لیکن اس تاثر کی تائید میں کوئی ٹھوس واقعہ نہیں ملتا۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جسٹینین (متوفی ۵۶۵ء) کے عہد میں شام میں انتہائی شرح سود بارہ فی صد تھی اور یہ بھی مانتے ہیں کہ عرب میں اگر قرضدار وقت مقررہ پر ادائیگی نہ کر سکتا تھا تو اصل کو مع سود دوگنا کر دیا جاتا تھا۔ لیکن یہ واضح نہیں فرماتے کہ صد فی صد مرکب سود کے خطرہ کے ہوتے ہوئے کوئی شخص سودی سرمایہ کو تجارت کے لیے کیسے استعمال کر سکتا ہے؟ اسی وجہ سے عربوں نے اپنے لیے مضاربت کا طریقہ چن لیا تھا اور تجارت کے معاملہ میں سودی سرمایہ سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ حالانکہ یورپ میں مضاربت کا پتہ گیارھویں صدی عیسوی تک نہیں ملتا اور اس وقت بھی اس کی طرف التفات کی وجہ یہ تھی کہ پوپ کے احکام کی وجہ سے سودی سرمایہ قریباً قریباً ناپید ہو گیا تھا۔

اصطلاحی معنی کے نام سے فاضل مصنف ربوٰا کی تعریفیں پیش کرتے ہیں لیکن دراصل یہ فقہی تعریفیں ہیں۔ اگر یہ دریافت ہو سکتا کہ عرب جاہلیت میں لفظ ربوٰا کن اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے تو ربوٰا کی نوعیت کے بارے میں ساری بحث ختم ہو جاتی۔

زیر تبصرہ کتاب میں تاریخی، فقہی اور تنقیدی نقطہ ہائے نگاہ سے بہت سی خوبیاں پائی جاتی ہیں اور اس لیے اس کا مطالعہ مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ فاضل مصنف نے بڑی عرق ریزی سے اس ضروری مواد کو اکٹھا کیا ہے لیکن جو لوگ نفع آور کاموں کے لیے مطلوبہ سرمایہ حاصل کرنے کا عملی مگر اسلامی طریقہ دریافت کرنا چاہتے ہیں ان کی اس کتاب سے رہنمائی نہ ہو سکے گی۔

قرآنی قوانین و اقدار

مؤلفہ محترم جناب پرویز صاحب
ناشر: ادارہ طلوع اسلام - ۲۵ - بی گلبرگ - لاہور